ادیب سہیل

''غنچۂ راگ'' کلاسیکی موسیقی پر ایک تاسیسی کتاب

میری تحویل میں موسیقی پر 1896ء کی ایک تصنیف ''غنچۂ راگ'' ہے۔ اس کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مطبع نول کشور، لکھنؤ سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آئی تو اس وقت اس کی چوتھی اشاعت تھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے زمانے میں خاصی پذیرائی ہوئی اور شائقین موسیقی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ گویا 2005ء تک اس کی عمر 108 برس ہو چکی ہے۔ اس کے مصنف نظام الدولہ نواب حاجی محمد مردان علی خاں بہادر مغفور رئیس مراد آباد ہیں۔ غنچۂ راگ کی پذیرائی کے سلسلے میں اس کے تقریظ نگار صفحہ ۳ پر رقم طراز ہیں:

> ''چونکہ یہ نسخہ آپ کی ایک یادگار تھا اور بہ خلاف مطبوعہ سابق کے بعض حذف و زواید کے نظر ثانی میں مجدداً صحت کامل اس کی کی گئی تھی اور سوا اس کے یہ کتاب ایک قدیم علم و فن ہند کی تھی اور واسطے محققین اور شائقین کے بس کارآمد اس لیے ہم نے بااجازت حضرت مغفور اس کو تین مرتبہ طبع کیا تھا۔ چونکہ بہ وفورِ خواہشِ خریداراں کل جلدیں فروخت ہو گئیں لہٰذا بار چہارم اسی نسخۂ نظر ثانی کردۂ حضرت مغفور سے مِن و عَن نقل ہو کر طبع کی نوبت آئی ....''

تقریظ کا سلسلہ صفحہ ۴ تک چلتا ہے۔ صفحہ ۵ پر نواب مردان علی خاں رئیس مراد آباد کی ایک نادر شبیہ ہے، جو کسی انجمؔ نامی شبیہ نگار نے بنائی ہے۔

روایت کے مطابق کتاب کا آغاز ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

بعد ازآں یہ رباعی رقم ہوئی ہے:

ہر سر میں نہاں ہے سرِّ حمدِ ستار
ہر بانگ میں ہے نعتِ رسولِ مختار
ہر نغمہ میں ہے مناقب آلِ نبیؐ
ہر صوت میں ہے صفاتِ اصحابِ کبار

اس کتاب میں تین فصل اور اکیس (۲۱) مقام ہیں۔ فصل اوّل 'سُر' ہے۔ اس فصل میں سُروں اور ان کے اقسام کا بیان ہے جو سات مقام پر مشتمل ہیں۔ فصل دوم میں راگ کا ذکر ہے۔ اس میں کل راگ اور راگنیوں کی تفصیل اور ان کے اقسام اور ترتیب کا بیان ہے۔ ساتھ ہی اس کے آٹھ مقام کا بھی ذکر ہے۔ فصل سوم، تال کے بیان کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے چھ مقام ہیں، ان فصلوں کی مکمل تفصیل رقم کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ جو خاص باتیں جاننے کی ہیں انہیں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ تال کے بیان میں جو اطلاع دی گئی ہے وہ یہ کہ زبان زدِعام 360 تال ہیں لیکن برتاوے میں تال کی 23 اقسام آتی ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ گانے بجانے والوں کے برتاوے میں 12 تالیں اور کچھ کے برتاوے میں 19 تالیں رائج ہیں۔

ایک باب میں الگ سے فن رقص کا بیان بھی ہے۔ اس فن کے ابتدائی تعارف نامے کے ساتھ انھوں نے (صاحبِ کتاب) واجد علی شاہ کے زمانے کے رقص تک خود کو محدود کرلیا ہے اور ان کے زمانے میں جو رقص مروج تھے، ان کی چودہ گتوں کو حیطۂ بیان میں لایا ہے۔ مثلاً

پری گت، سلامی گت، فریاد گت، نکٹ گت، آنچل گت، خندہ گت یعنی مسکراتی گت، مودب گت یعنی دہشت زدہ گت، حُسن گت، گھونگھٹ گت، محجوب گت، نازگت، غمزہ گت، ادا گت، نیک گت۔

Scanned by CamScanner

[illegible]

غنچۂ راگ کے مصنف نواب مردان علی خاں نے اس بات پر بھی تنبیہ کی ہے کہ ان دنوں کی محفلوں میں سنگت کرنے والے طبلہ اور پکھاوج نوازوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس تال سازی کی آواز گانے بجانے والے کی آوازوں سے ایک زینہ نیچے رہے تاکہ گائکی اور بین کا حسن برقرار رہ سکے۔ تال کے شور میں گم نہ ہو جائے۔ یہ تو محض ایک مثال ہے گانے بجانے والے کے ساتھ تال کی سنگت کے حوالے سے اس کے علاوہ بھی بہت سی ہدایات ہیں جو گویوں اور سازندوں کے سلسلے میں کارآمد ہو سکتی ہیں۔

نواب مراد علی خاں نے تفصیل سے مختلف ادوار موسیقی کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عہد محمد شاہ میں تین کلاونت خیالیے اور دو [illegible] تھے جو صاحبانِ کمال کہے جاتے تھے۔ اس وقت راگ ہی کا بہت پسندیدہ تھا۔ دلی سے ہٹ کر جے پور میں بھی اس وقت بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے جن کا تعلق سینی گھرانے سے تھا --- گر یہ

Scanned by CamScanner

واجد علی شاہ میں راگ کا چلن جاتا رہا اور صرف ٹھمری اور غزل گائکی کا انگ نے شاہ وقت کی سے رواج پایا اور ناچ اور بھاؤ بتانے کو ترقی ہوئی۔ بتایا گیا ہے شاہ وقت نے غزل اور ٹھمری کا طرز بھی نہایت دلچسپ اور آسان ایجاد کیا۔

اسی تسلسل میں نواب صاحب لکھتے ہیں

''فی زمانہ ٹھمری، غزل، دادرا، بھاؤ لکھنؤ کا ہے جو بنگالہ میں دھوم لے زبان پنجاب میں اچھے زمانہ میں ایجاد کیا ہے جو ... خیال و رباب کے باکمال گوالیار میں اور بعض باکمال ریاست رام پور اور ریواں وغیرہ میں موجود ہیں۔ مگر بنگالہ سے گویا استاد مسلم الثبوت وفرد کامل مفقود ہے''

نواب مردان علی خاں نے یہ اطلاع بھی دی کہ '' کلکتہ میں چند سال سے چند شوقین بنگالیوں نے ایک مدرسہ اس کی تعلیم کے لیے قائم کیا ہے۔ وہاں بھی بجز معمولی تعلیم اور طریقہ فکر کے ان نقائص کے دور کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔''

نواب صاحب نے اگرچہ دکھ کے ساتھ کلاسیکی موسیقی سے عدم توجہی اور اس میں بہت طرح کے اسقام کے در آنے کا ذکر کیا ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بنگال بشمول کلکتہ میں ہمیشہ سے ہلکی پھلکی موسیقی کا چلن رہا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ بنگال کے کھیت کھلیان، ندی، نالے گنگناتے گاتے نظر آتے ہیں۔ چینی سیاح فاہیان نے بنگال کو نغموں کا دیس کہا ہے۔ اس کے باوجود وہاں کلاسیکی موسیقی کی روایت بہت پرانی نہیں۔

انگریزی میں ایک کہاوت ہے Blessing in disguise۔ سو واجد علی شاہ سلطان اودھ کی 1856ء میں کلکتہ جلا وطنی کی وجہ سے، اس کا ایک مضافاتی محلہ مٹیا برج دیکھتے دیکھتے بہ قول مولانا عبدالحلیم شرر چھوٹا لکھنؤ بن گیا۔ شاہی بود و باش کے لیے محلات تعمیر ہو گئے، شاہ کے ساتھ مختلف شعبہ ہائے فنون لطیفہ کے باکمال بھی کلکتہ آ گئے۔ محلات کے اندر اور باہر ٹھمری اور خیال کی محافل آراستہ ہونے لگیں، بڑے دلی خاں اور چھوٹے

Scanned by CamScanner

ولی خاں، اور دیگر اساتذہ، سلطان عالم کی مجالس سے وابستہ ہوئے اور یوں کلکتہ کو موسیقی کا ایک مضبوط Base کلکتہ کو حاصل ہوا۔ ستار کے باب میں استاد امداد علی خاں، ان کے بیٹے عنایت خاں، کلکتہ میں ٹیگور فیملی کی سرپرستی میں امدا خانی باج کو متعارف کرانے کے کلکتہ خود بعد ازاں لکھنو کے بعد ٹھمری کا ایک مرکز بنا اور بڑے بڑے ٹھمری کے گانے والے ہو گزرے۔ ان میں نمایاں ترین نام موجود الدین خاں، ضمیر الدین خاں اور بھیا جی گنپت راؤ کا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے، بنگال کی فضا ہلکی پھلکی موسیقی کے لیے ہی موزوں ہے۔ بنگلہ گائیکی کے دو طرز ٹیگور گیتی اور نذرل گیتی باضابطہ دو اسکول کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے ٹیگور گیتی مہاکوی رابندرناتھ ٹیگور اور نذرل گیتی بدروہی شاعر نذرالاسلام سے منسوب ہے۔

غنچۂ راگ کے صفحہ 69 سے 87 تک موسیقی اور موسیقاروں کے سلسلے میں، مرقوم، اس کے مصنف کی باتیں مجھے ناقدانہ لگی ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ گائکوں اور سازندوں پر تنقید کے ساتھ اصلاح احوال کے لیے یہ گزارشیں بھی کی گئیں کہ کہاں فن کے ستھرے پن کے لیے کیا اقدام کرنا چاہیے اور کس بات سے احتراز کرنا چاہیے۔ انھوں نے (نواب صاحب) اپنے موقف کو مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے۔ مثلاً صفحہ 78 پر:

> ''ساز بجانے کے واسطے گانا جاننا مقدم ہے، بغیر گانا سیکھے ہوئے کوئی ساز صحیح نہیں بجا سکتا۔ جب تک راگ راگنی کی صورت معلوم نہ ہوگی اور تان پلٹا گلے سے نہ جانتا ہو گا تب تک ستار اور بین وغیرہ سازوں میں کیوں کر ادا کر سکتے ہیں یعنی ہاتھ اور ساز گویا گلے کی نقل ہے۔ اگرچہ سنتے سنتے بھی ہوشیار آدمی راگ راگنی اور تان پلٹا سے واقف ہو جاتا ہے اور ملکہ حاصل کر کے اس کے عیب و صواب جاننے لگتا ہے مگر کن رسیا کہیں گے۔ گنی جبھی ہو گا جب خود باقاعدہ گانا بجانا جانتا ہو......''

Scanned by CamScanner

نواب مردان علی خاں مصنف و مؤلف غنچہ راگ کے اس مؤقف کی کھلی تائید
عمل سے ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے عظیم ستار نواز استاد عنایت
خاں کے والد محترم استاد امداد خاں ستار کی جانب راجع ہوئے تو ستار بجانے سے پہلے
ہوں نے لکھنؤ جا کر ایک گھرانے دار استاد کے آگے پہلے گانا سیکھنے کے لیے زانوئے تلمذ
ہ کیے اور جب وہ گائیکی پر حاوی ہو گئے تو پھر ستار کو ہاتھ لگایا۔ فی زمانہ استاد امداد خاں
ے نام سے امداد خانی باج جانا جاتا ہے، ستار باج کے تسلسل میں روز اول سے تین نام
لیے جاتے ہیں، اول: میسیت خانی باج، دوم: رضا خانی باج، سوم: امداد خانی باج۔ مختصراً
یاں باج یا بجانے کے اسلوب کی وضاحت عام قارئین کے لیے ضروری ہے۔ میسیت
خانی باج یا اسلوب میسیت خاں سے منسوب ہے۔ میسیت خاں میاں تان سین کے نرینہ
اولادوں کی تیسری پیڑھی میں ہوئے تھے۔ ان کے بجانے کا انداز دھیما تھا، آرام آرام
سے راگ کو آگے بڑھاتے جاتے تھے۔ رضا خانی باج غلام رضا خاں سے منسوب تھا۔ یہ
صاحب واجد علی شاہ کے دربار سے متعلق تھے، پٹنے سے تعلق تھا، ان کے باج کی لے بہت
تیز تھی۔ ان کی گت کی چال قدرے پیچیدگی رکھتی تھی۔ منشی کرم امام خاں، مصنف ''معدن
الموسیقی'' رضا خاں کو اپنے فن کے خاتم کہتے تھے۔ امداد خانی باج استاد امداد خاں سے
منسوب ہے۔

مؤرخین موسیقی کی اطلاع کے مطابق امداد خانی باج، میسیت خانی اور رضا خانی
باج کی امتزاجی صورت ہے اور گائکی انگ پر زور زیادہ ہے۔ کلاسیکی موسیقی کے شائقین اور
پارکھ جانتے ہیں کہ پوری کی پوری بیسویں صدی استاد امداد خاں، ان کے باکمال بیٹے
استاد عنایت خاں، پھر عنایت خاں کے بیٹے استاد ولایت خاں (پیدائش 1924ء) نے
ستار باج کو اس بامِ عروج پر پہنچایا جہاں برصغیر پاک و ہند میں ان کا کوئی حریف نظر نہیں
آتا۔ اس صورتِ حال کا اطلاق آج کے دور پر بھی ہوسکتا ہے۔

ابھی کل کی بات ہے کہ استاد ولایت خاں کو نامور ستارے پنڈت روی شنکر کی

Scanned by CamScanner

موجودگی میں سابق وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے ہندوستان کا سب سے نمایاں اور واحد ستار نواز تسلیم کرتے ہوئے انعام و اعزاز کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ افسوس کہ استاد ولایت خاں اب ہم میں نہیں رہے۔ فروری 2004ء میں ان کا انتقال نیو جرسی، امریکہ میں ہوا اور وصیت کے مطابق وہ اپنے آبائی قبرستان، کلکتہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

امداد خانی باج کی خوبصورتی اور انفرادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ 1909ء میں مہاراجہ میسور کے دربار میں دسہرہ کی تقریب منائی جا رہی تھی۔ ہندوستان کے بڑے بڑے استاد موجود تھے۔ جس میں موسیقی استاد ممن خاں اور استاد امداد خاں بھی اپنی موجودگی سے اس بزم کو رونق بخش رہے تھے۔ اسی موقع پر اپنا نوایجاد ساز "سُر ساگر" بجاتے ہوئے استاد ممن خاں نے کہا تھا "سُر ساگر ایجاد کرنے کا خیال ہمارے دل میں امداد خاں صاحب کا ستار سُن کر پیدا ہوا تھا......" یہ بات استاد ممن خاں کے بیٹے سنگیت مارتنڈ استاد چاند خاں کے خطبۂ صدارت ۱۳۸۵ھ میں رقم ہے۔

لاہور، پاکستان میں شریف پونچھ والے کو ستار نوازی کا فن براہ راست استاد ولایت خاں کے والد استاد عنایت خاں سے ملا۔

کراچی میں استاد عنایت خاں کے خانوادے کی ستار نوازی کی جھلک استاد رئیس خاں کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے رئیس خاں صاحب کا استاد عنایت خاں اور استاد ولایت خاں سے لہو کا رشتہ ہے، اپنی والدہ کی طرف سے۔

ہندوستان میں استاد ولایت خاں کے چھوٹے بھائی امرت یا امارت خاں اس خانوادے کی یادگار ہیں۔

غنچۂ راگ نومبر 1896ء میں منشی نول کشور نے مطبع لکھنؤ سے چھاپی۔ کلاسیکی موسیقی کے موضوع پر استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ زبان سادہ اور سہل ہے۔ یہ نادر و نایاب کتاب حکیم کرم امام خاں (واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ) کی تصنیف "معدن الموسیقی"

Scanned by CamScanner

ے 29 برس پہلے شائع ہوئی۔ تقریظ نگار نے غنچۂ راگ کے مصنف و مؤلف حاجی نواب مردان علی خاں رئیس مراد آباد کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب موصوف علمی و عملی، ہر دو موسیقی سے کماحقہٗ آراستہ تھے۔ غنچۂ راگ کے اختتامی متن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نواب مردان علی خاں اپنے زمانے میں مروج گائن و وادن میں ساز سے آواز تک درستگی اور تبدیلی کے خواہاں تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی گراں قدر تصنیف غنچۂ راگ میں، گانے بجانے میں در آنے والے اسقام اور رطب و یابس کی تفصیل سے نشاندہی کی ہے۔

تقریظ نگار، اپنی تقریظ خاتمۂ کتاب غنچۂ راگ میں اطلاع دیتے ہیں:

"کچھ بہت دن نہیں گزرے کہ اس مطبوعہ کتاب کو بعد نظر ثانی حشو و زوائد مصنف مرحوم نے از سرِ نو طبع کرنے کے لیے ہمارے پاس بھیجا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب چھپنے بھی نہ پائی کو مصنف مرحوم بہ مقام سری نگر کشمیر بہ مرض ہیضۂ وبائی، داخلِ فردوسِ بریں ہوئے۔"

ان عبارات سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نواب مردان علی خاں صاحب کا انتقال کب اور کس سنہ میں ہوا۔ پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ تقریظ نگار صاحب کون ہیں؟ اغلب ہے کہ یہ صاحب منشی نول کشور مالک مطبع لکھنؤ ہیں۔ نواب صاحب کے زمانۂ انتقال کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ غنچۂ راگ نومبر 1896ء میں شائع ہوئی، اس لیے نواب صاحب کے انتقال کا وقت 1896ء کے آخری کسی مہینے میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔

موسیقی کے باب میں نواب مردان علی خاں کی خدمات غنچۂ راگ کی صورت میں امر ہیں۔ ان کا شمار کتب موسیقی کے اولین مؤسسوں میں کیا جانا چاہیے۔

...o.o...

Scanned by CamScanner

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

[illegible]

نمبر ایک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپا

[illegible]

شبیہ نوائین نامدار

ظام الدولہ منتظم الملک نواب حاجی محمد مردان علی خان بہادر مغفور

رئیس مرادآباد

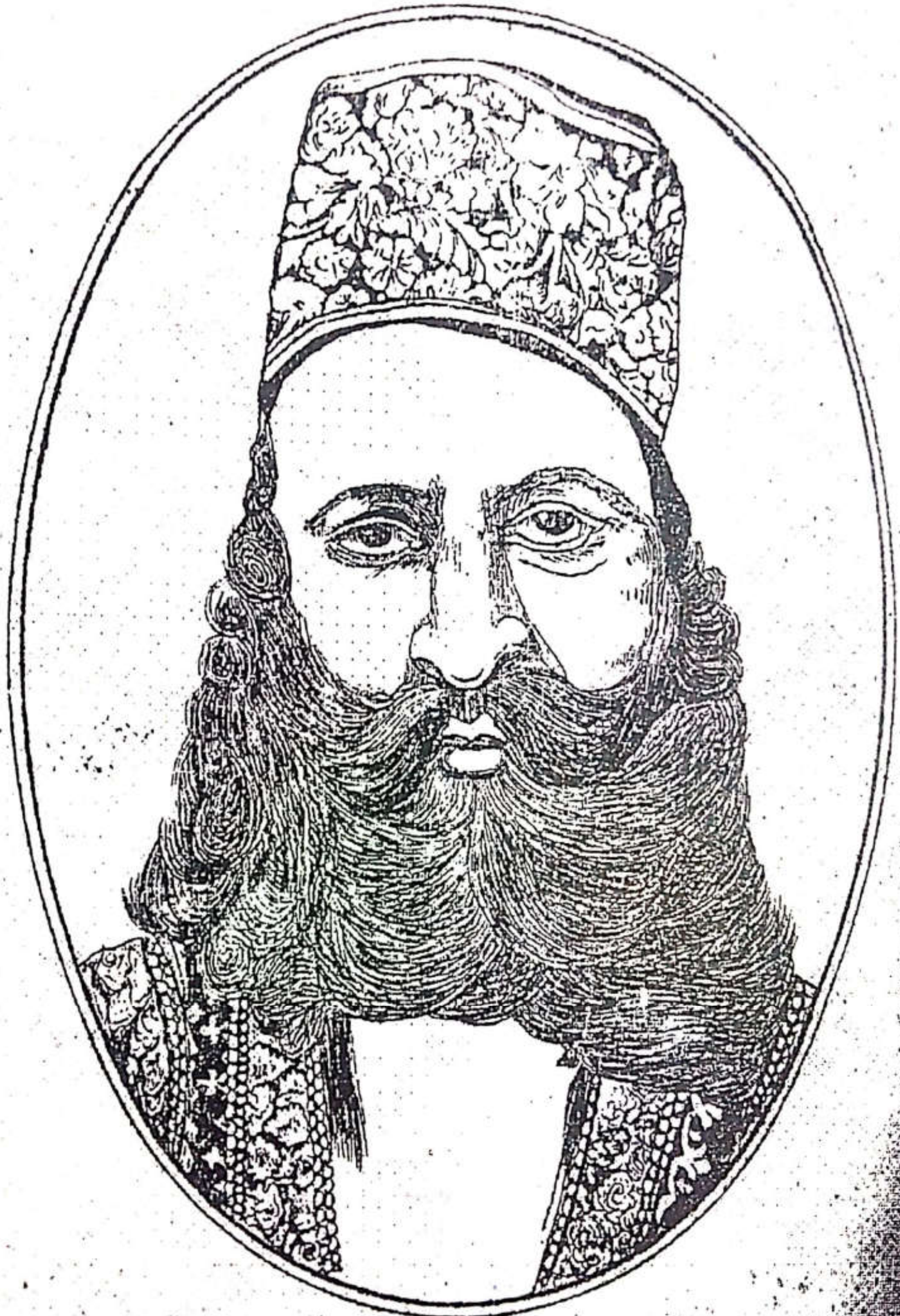

Scanned by CamScanner